سلسلہ دَورِ نبوّت کے بچّے 6

مطیعِ اعظم





اشفاق احمد خاں

دارالسلام
DARUSSALAM

سلسلہ دورِ نبوت کے بچے 6

مطیعِ اعظم

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما



اشفاق احمد خاں



دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاهور • کراچی
اسلام آباد • لندن • هیوسٹن • نیو یارک



حج کا موقع تھا۔ مکہ میں ہر طرف حجاجِ کرام نظر آ رہے تھے۔ مکہ کی فضائیں لبیک اللّٰھُمّ لبیک کی صداؤں سے گونج رہی تھیں۔ اللہ کی وحدانیت کا کلمہ پڑھنے والے' اہم ترین دینی فریضہ ادا کرنے کے لیے بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ یہ اموی خلافت کا دور تھا۔ عبدالملک بن مروان مسلمانوں کا خلیفہ تھا۔ اُن دنوں مسلمان حکومت کی طرف سے کسی با اثر اور مقبول شخصیت کو امیر حج بنا کر بھیجا جاتا تھا، اور خلیفۂ وقت نے اس حج کے موقع پر حجاج بن یوسف کو امیر بنا کر بھیجا تھا۔

حجاج بن یوسف ثقفی وہ شخص تھا جس نے بے انتہا خون ریزی کر کے لوگوں کے دلوں میں اموی خلافت کا رعب و دبدبہ قائم کیا تھا۔ اس کے ظلم و ستم کی ہیبت کی وجہ سے لوگ اطاعت پر مجبور تھے۔ لیکن ان کے دل نفرت سے بھرے ہوئے تھے۔

امیرِ حج کے طور پر حجاج فخر و غرور کی علامت بنا' بیت اللہ میں موجود تھا لیکن حیرت کی بات تھی کہ اپنے چند ساتھیوں کے علاوہ اس کے پاس کوئی نہیں تھا۔

حجاج جانتا تھا کہ لوگ سے پسند نہیں کرتے۔ پھر بھی اس کی دلی خواہش تھی کہ اس کے گرد لوگ اکٹھے ہوں، اس کی بات سنیں، اس سے اپنی بات کہیں، لیکن ایسا ہو نہیں رہا تھا۔ اسی کیفیت میں حجاج کی نظر ایک سمت میں پڑی۔ لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو اس طرف ٹوٹا پڑ رہا تھا۔ حجاج کو تعجب ہوا۔ وہاں ایسی کیا چیز تھی جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اُس نے حیرت سے اپنے ساتھیوں سے پوچھا:

''اس کونے میں کیا ہے؟ لوگ کیوں دیوانوں کی طرح اُدھر لپک رہے ہیں؟''

حجاج کی حیرانی بھانپ کر اُس کے ایک ساتھی کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ جانتا تھا کہ اصل سبب کیا ہے۔ اس نے اپنی مسکراہٹ چھپا کر کہا:

''یہ ایک دینی حلقہ ہے، لوگ غالباً کسی دینی شخصیت کے گرد جمع ہیں۔''

''دینی شخصیت......! ایسی کون سی ہستی ہے جس پر لوگ پروانوں کی طرح ٹوٹ کر گر رہے ہیں؟'' حجاج کی کیفیت ابھی تک وہی تھی۔

حجاج کا وہ ساتھی، دلی طور پر اس ہستی کا ہمدرد تھا اور چاہتا تھا کہ وہ حجاج کے شر سے محفوظ رہیں۔ اس لیے وہ اس ہجوم کی اہمیت کو کم سے کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کے ایک دوسرے شر پسند ساتھی نے جلدی سے کہا:

''امیرِ محترم! یہاں عالمِ اسلام کی ایک بڑی نامور ہستی موجود ہیں، اس



لیے لوگ آپ کو نظر انداز کر کے ان کے گرد اکٹھے ہو رہے ہیں، حالانکہ امیرِ حج آپ ہیں۔''

حجاج اتنا بیوقوف نہیں تھا کہ اپنے ساتھی کی باتوں میں آ جاتا، لیکن اس کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھی تھی۔ حسد بھرے لہجے میں بولا:



''کون ہیں یہ صاحب! انہیں کون سے سرخاب کے پَر لگے ہیں؟''

''یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔'' حجاج کے اسی ساتھی نے کہا جو دل سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عقیدت مند تھا۔ ''علم و فضل کے لحاظ سے ایک بلند پایہ صحابی، سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنے والے، نہ صرف ان کی زندگی میں بلکہ زندگی کے بعد بھی۔''

''اچھا! تو یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔'' حجاج نے حیرت کی دنیا سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کی طرف رخ کیا اور ترچھی نگاہوں سے اسے گھور کر کہا:



''اور کیا جانتے ہو تم ان کے بارے میں؟''

حجاج کا وہ ساتھی لطف و سرور کی کسی اور ہی دنیا میں پہنچ چکا تھا۔ بولا:

''ابن عمر رضی اللہ عنہما، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت رکھتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کی نظروں میں مقبول اور محبوب بنا دیا ہے۔''

''ہوں! تو یہ لوگوں میں بے انتہا مقبول ہیں۔'' حجاج نے تلملا کر کہا۔ حسد کے شعلے مکمل طور پر اس کے دل کو اپنی گرفت میں لے چکے تھے۔ جو منظر اس کی نگاہوں کے سامنے تھا، اس نے خود اسے اپنی نظروں میں کم تر بنا دیا تھا۔ وہ حکومت کا نمائندہ تھا۔ امیرِ حج تھا، لیکن کوئی اس کو پوچھنے والا نہیں تھا۔ کوئی اس کے قریب آنا پسند نہیں کرتا تھا۔ جبکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گرد لوگ مجمع بنائے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو قریب بلایا اور اس کے کان میں سرگوشی کی:

''سنو! اس آدمی کو دیکھ رہے ہو؟''

''کون سا آدمی امیر محترم؟'' اس کا ساتھی مؤدب لہجے میں بولا۔

''عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما)...... جس کے گرد لوگوں کا ہجوم ہے۔'' حجاج نے ہجوم کی طرف اشارہ کیا۔

''جی امیرِ محترم' وہ واقعی ابن عمر (رضی اللہ عنہما) ہیں۔''

''مجھے اس کی مقبولیت ایک آنکھ نہیں بھا رہی، اس آدمی کی وجہ سے کوئی



میرے قریب نہیں آ رہا، تم چپکے سے اسے زہر آلود نیزہ مار دو!''

حجاج کے ساتھی نے حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''ہاں، میں چاہتا ہوں کہ تم اسے زندگی کے بوجھ سے آزاد کر دو!''

حجاج نے اس کی کیفیت کو محسوس کر کے دوبارہ کہا۔



''ٹھیک ہے امیرِ محترم!'' اس کے ساتھی نے احترام سے سر جھکا دیا۔

لوگ میدانِ عرفات سے واپس آ رہے تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی لوگوں کے ہجوم میں چلے آ رہے تھے۔ حجاج کا وہ ساتھی ان کے قریب ہونے کی مسلسل کوشش کر رہا تھا، لیکن ان کے عقیدت مندوں کا ہجوم اتنا زیادہ تھا کہ اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن مسلسل کوشش اور جدوجہد سے بالآخر وہ ان کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ قریب آتے ہی اس نے زہر میں بجھے نیزے کو ان کے برہنہ پاؤں کے ساتھ پھیر دیا۔ یہ زہر اتنا طاقتور تھا کہ جسم کے قریب آتے ہی اثر کر جاتا تھا، نیزہ تو پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاؤں سے مَس ہوا تھا۔ اس کے نتیجے میں وہ شدید بیمار ہو

گئے۔ حجاج اپنے ساتھی کی کامیابی پر بہت خوش ہوا۔ اُسے یقین تھا کہ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) اب نہیں بچیں گے۔

بیماری کی اسی کیفیت میں، چند دنوں کے بعد حجاج آپ کی تیمارداری کے لیے آیا۔ باتوں باتوں میں اس نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا:

''ابوعبدالرحمٰن! تجھے کس نے زہر آلود کر دیا ہے؟''

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا:

''تم یہ جان کر کیا کرو گے؟''

حجاج نے جواب دیا: ''اگر میں اس کو قتل نہ کر دوں تو اللہ مجھے ہلاک کر دے!''

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ''میرے خیال میں تم ایسا ہرگز نہیں کرو گے، کیونکہ جس نے مجھے نیزہ مارا ہے، اس کو تو نے ہی حکم دیا تھا۔''

حجاج نے ناراضی کے عالم میں اُٹھتے ہوئے کہا: ''اللہ تجھ پر رحم کرے! ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟'' اتنا کہہ کر وہ دل ہی دل میں خوش ہوتا ہوا وہاں سے چل دیا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، خلیفۂ دوم امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کے والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر میرے بعد نبوت کا سلسلہ ختم نہ ہو چکا ہوتا، تو عمر نبی بن کر مبعوث ہوتا۔''

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں دیکھتا ہوں کہ شیطان صفت انسان اور جن، عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بھاگتے ہیں۔'' اسی طرح کی ایک اور روایت ابنِ عساکر نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ''اے عمر! بے شک شیطان تجھ سے ڈرتا ہے''



رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ آپ مضبوط شخصیت کے مالک ہیں۔ ثابت قدمی اور آہنی عزم آپ کی ذات کے اہم ترین اوصاف تھے۔ مکہ کے معاشرے میں آپ کا بڑا مقام تھا۔ شاید اسی لیے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

''اے اللہ! اسلام کی سربلندی کے لیے عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام میں سے کسی ایک کو چن لے!''

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ وہ واحد آدمی تھے جنھوں نے دوسروں کی طرح چھپ کر ہجرت نہیں کی۔ ہجرت کرتے وقت تلوار کو لٹکائے ہوئے تھے اور اس موقع پر وہاں سے باقاعدہ اعلان اور چیلنج کر کے لوگوں کی نظروں کے سامنے سے نکلے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی پیدائش نبوت کے تیسرے سال ہوئی۔ آپ کی پیدائش کے

وقت دینِ اسلام ابتدائی مراحل میں تھا۔ قریش مکہ نبیٔ کریم ﷺ کی زبردست مخالفت کررہے تھے حتیٰ کہ آپ کے والد عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) بھی دعوتِ حق کے زبردست مخالف تھے۔ ان کا بھی عام لوگوں کی طرح یہی خیال تھا کہ نئے دین کو قبول کرنے سے وہ معاشرے میں اپنا مقام کھوبیٹھیں گے، کیونکہ دینِ اسلام نے لوگوں کے درمیان برابری کی رسم ڈال کر آقا وغلام کا فرق مٹا دیا تھا۔ ان کا تعلق ایک معزز اور اعلیٰ خاندان سے تھا۔ جنگوں کے دوران دشمن کے ساتھ مذاکرات میں ان کو سفیر مقرر کیا جاتا تھا۔ امن کے دنوں میں بھی وہ فخر و وقار کی علامت ہوتے تھے۔

جب کفارِ مکہ کو یہ احساس ہوا کہ حق کی دعوت تیزی سے پھیل رہی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور نیا دین معاشرے میں اپنی جڑیں پکڑ رہا ہے، تو انھیں خیال آیا کہ اس مسئلے کا حل اب محمد ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ چنانچہ یہ ذمہ داری عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کو سونپ دی گئی۔ وہ تلوار ہاتھ میں پکڑے، قتل کے ارادے سے نکلے تو راستے میں کسی آدمی سے انھیں بہن اور اس کے شوہر کے قبولِ اسلام کا علم ہوا۔ غصے میں بھرے ان کے ہاں پہنچے، لیکن مار پیٹ کے باوجود ان لوگوں نے دینِ حق کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا:



''لاؤ! جو کچھ تم پڑھ رہے تھے، میں بھی تو دیکھوں!''

ان کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تم ناپاک ہو۔ چنانچہ عمر (رضی اللہ عنہ) نے غسل کیا بعدازں ان کی بہن نے وہ اوراق ان کے حوالے کر دیے۔ ان پر سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے جب ان کو پڑھا تو چہرے کی رنگت بدل گئی۔ تعجب کے آثار نمایاں ہونے لگے۔



انھوں نے اس سے قبل ایسا کلام کبھی نہیں سنا تھا۔ ان کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ کسی آدمی کا کلام نہیں ہوسکتا۔ پھر پوچھا:

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے کہاں مل سکتے ہیں؟''

انھوں نے کہا: ''وہ صفا پہاڑی کے زیریں حصے میں ہوں گے۔''

یوں ہدایت کی کرنوں نے سیدنا عمر (رضی اللہ عنہ) کے دل میں گھر کر لیا اور انھوں نے دینِ حق کو قبول کر لیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد بعض صحابہ نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ اپنا اسلام قبول کرنے کا عمل خفیہ رکھیں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! میں اسلام کا اظہار بھی ایسے ہی علی الاعلان کروں گا جس طرح میں کفر کا برملا اظہار کرتا تھا۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ مکہ کی دلیر شخصیت اور اولوالعزم ہستی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ نبوت کے تیرہویں سال عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے والد گرامی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً دس برس تھی۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی۔ اسی لیے انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ آپ اپنا اکثر وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارنے کی کوشش کرتے۔ ہجرت کے بعد جب کبھی آپ مکہ تشریف لاتے تو اپنے گھر نہ ٹھہرتے۔ محمد بن زید رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہجرت کے بعد مکہ میں اپنے گھر کے قریب سے گزرتے تو اپنی آنکھیں بند کر لیتے۔ ان مکانات کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی نہ کرتے جن میں وہ کبھی رہا کرتے تھے۔

صحابہ کرام اکثر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع رہتے۔ وہ سب عقیدت، محبت اور احترام میں ایک سے بڑھ کر ایک تھے، لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی فرمانبرداری ان سب سے جدا اور منفرد تھی۔ اس کا سب سے اہم سبب یہ تھا کہ آپ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:



''کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔'' (آل عمران: 31)

ابن عمر رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اس محبت کے نتیجہ میں آپ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال فرمانبرداری کرتے تھے۔



آپ ہر وہ کام کرتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ ہر حکم کی فوری تعمیل کرتے اور جن چیزوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا، اُن سے باز رہتے تھے۔ یہاں تک کہ راہ چلتے ہوئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہاں بیٹھتے جہاں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ چکے ہوتے۔ وہاں دعا کرتے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہوتی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مقام پر بیٹھ کر دعا کی ہوتی تو وہاں بیٹھ کر دعا کرتے اور اگر کھڑے ہو کر دعا فرمائی ہوتی تو کھڑے ہو کر دعا فرماتے۔ اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پتا چل جاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی درخت کے نیچے تشریف فرما رہے ہیں تو ان کی یہ خواہش ہوتی کہ وہ بھی اس درخت کے نیچے کچھ دیر بیٹھ جائیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما ، نبیٔ کریم ﷺ کے نقشِ قدم ڈھونڈتے پھرتے ، جہاں آپ ﷺ نے کبھی نماز ادا کی ہوتی وہاں نماز ادا کرتے۔ یہاں تک کہ اگر کسی درخت کے سائے میں آپ ﷺ تشریف رکھ چکے ہوتے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس درخت کو پانی دیتے، تاکہ وہ درخت سوکھ نہ جائے ، گویا وہ اس درخت کے نیچے صرف بیٹھتے ہی نہیں تھے بلکہ اس کی دیکھ بھال بھی کرتے تھے تاکہ وہ درخت سرسبز و شاداب رہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی نعمت حاصل کرتے رہیں۔ بے شک یہ سچی محبت کی ایک نادر مثال ہے۔ جس محبت کے ساتھ فرمانبرداری نہ ہو وہ محبت ہی کیا! ابن عمر رضی اللہ عنہما کی فرمانبرداری کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے کہیں صرف خواہش کا اظہار کیا ، حکم نہیں دیا ، تب بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی اس خواہش پر پابندی سے عمل کرتے۔

ایک بار رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''کاش! ہم اس دروازے کو عورتوں کے لیے خاص کر دیتے۔''

یہ سننا تھا کہ اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما اس دروازے سے زندگی بھر داخل نہیں ہوئے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نبیٔ کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کے عمل کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمیت دیگر صحابہ کرام نے بھی محسوس کیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جس قدر



ابن عمر رضی اللہ عنہما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کا اہتمام کرتے، کوئی دوسرا صحابی ایسا نہیں کرتا تھا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی جگہ سے گزر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بغیر کسی ارادے کے اپنی اونٹنی کی رسی کھینچ لی، جس کے نتیجے میں اونٹنی نے ایک دو چکر کاٹے تو ابن عمر رضی اللہ عنہما اس مقام پر اپنی اونٹنی کے ساتھ یہ عمل دہراتے۔"



عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں عہدِ وفا نبھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی محبت کے تقاضوں کو پورا کرتے رہے۔ ان کے سامنے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا تو ان کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔ ان کی شدید خواہش ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ کی جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کہی ہو یا بات میں کسی کمی وبیشی کا ارتکاب ہو۔ ان کے ہم عصر صحابہ کرام کہا کرتے تھے:

"اے اللہ! تو عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو اس وقت تک زندہ رکھ جب تک ہماری زندگی ہے تاکہ ہم ان کی پیروی کرتے رہیں، کیونکہ ان سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے والا ہمارے علم میں کوئی نہیں۔"

عبداللہ بن عمر ﷺ دنیا اور اس کی لذتوں سے دور رہتے تھے۔ ایک دفعہ امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان ﷺ نے عبداللہ بن عمر ﷺ کو قاضی بننے کی پیشکش کی اور کہا:

''آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کریں۔''

ابن عمر ﷺ نے جواب دیا:

''لوگوں کے درمیان کی بات کو چھوڑیں، میں تو دو آدمیوں میں بھی فیصلہ نہیں کروں گا اور نہ ہی دو آدمیوں کی امامت کروں گا۔''

سیدنا عثمان ﷺ نے کہا: ''آپ میری نافرمانی کر رہے ہیں۔''

عبداللہ بن عمر ﷺ نے کہا: ''نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ بلکہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں:

ایک ......جس نے لاعلمی میں فیصلہ کیا، وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

دوسرا ......جس نے زیادتی کی اور خواہشات کے مطابق فیصلہ کیا...... وہ بھی جہنم میں داخل ہوگا۔

تیسرا ......جس نے کوشش کر کے درست فیصلہ کیا، وہ ضرورت کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہوگا، اسے اجر ملے گا نہ اس پر کوئی گناہ کا بوجھ ہوگا۔''

سیدنا عثمان ﷺ نے فرمایا: ''لیکن آپ کے والد تو فیصلے کیا کرتے تھے۔''



عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا: ''میرے والد اگر فیصلے کیا کرتے تھے تو کسی مسئلے میں پیچیدگی آنے کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشکل محسوس کرتے تو جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کرتے تھے۔ امیر المومنین! جب کوئی مشکل درپیش آ جائے تو میں کس سے پوچھوں؟ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا؟: ''جس نے اللہ سے پناہ مانگی، اس نے حقیقی معنوں میں پناہ دینے والی ذات سے پناہ طلب کی ہے۔''



سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں، ایسی بات تو ہے۔''

تب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''پس میں اللہ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ آپ مجھے قاضی بنائیں۔''

یہ سن کر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کو قاضی بنانے کا خیال ترک کر دیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں شام کا گورنر بننے کی دعوت دی اور کہا:

''اے ابو عبدالرحمٰن! آپ ایسے آدمی ہیں جن کی بات شام کے لوگ

مانتے ہیں، اس لیے میں آپ کو ان پر والی (گورنر) مقرر کرتا ہوں۔"

عبداللہ بن عمر ﷢ نے کہا: "اے امیر المومنین! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ اور نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ اپنی رشتہ داری اور تعلق کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے اس کام سے بچا کر رکھیے۔"

لیکن سیدنا علی ﷜ نے ان کی یہ درخواست رد کر دی۔ تب عبداللہ ﷜ نے ام المومنین سیدہ حفصہ ﷝ سے سفارش کروائی لیکن سیدنا علی ﷜ نے پھر انکار کر دیا۔ تب عبداللہ ﷜ رات کی تاریکی میں مکہ چلے گئے۔ پھر لوگوں نے انھیں مکہ میں سجدہ کی حالت میں یہ کہتے سنا:

"اے میرے رب! تو جانتا ہے کہ میں صرف تیرے خوف کی وجہ سے قریش کے ساتھ دنیاداری میں شریک ہونا نہیں چاہتا۔"

عبداللہ بن عمر ﷢ کو واقعی دنیا اور اس کی لذتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اپنے مال میں سے جو ان کو پسند آ جاتا وہ اس کو اللہ کی راہ میں دے دیتے۔ ایک مرتبہ اُن کا آزاد کردہ ایک غلام عراق سے اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام عرض کرنے کے بعد اس نے کہا:

"میرے آقا، میں عراق سے آپ کے لیے ایک تحفہ لے کر آیا ہوں۔"

عبداللہ بن عمر ﷢ نے پوچھا: "وہ کیا ہے؟"



اس نے کہا: ''وہ جوارش (ایک دوا) ہے۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے: ''وہ کیا ہوتی ہے؟''

اس نے کہا: ''یہ کھانے کو ہضم کر دیتی ہے۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں نے تو چالیس برس سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، میں اس ہضم کرنے والی دوا کو کیا کروں گا!''



اسی طرح ان سے محبت اور عقیدت رکھنے والا ایک آدمی ''قرعہ'' ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ان کے جسم پر کھردرا لباس ہے۔ کہنے لگا:

''میں آپ کے لیے خراسان سے نرم کپڑا لے کر آیا ہوں جو وہاں خاص طور پر تیار ہوتا ہے۔ اگر آپ اسے زیب تن کریں گے تو میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے گی۔''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی طرف دیکھا اور پھر کپڑے کو جانچا اور کہا:

''یہ ریشم تو نہیں ہے؟''

قرعہ نے کہا: ''جی نہیں، یہ تو سُوتی ہے۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ بولے: ''پھر بھی میں اس کو پہننے سے ڈرتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کو پہننے کے بعد میں متکبر اور مغرور ہو جاؤں اور اللہ تعالیٰ کو تکبر اور غرور پسند نہیں ہے۔'' اتنا کہنے کے بعد انھوں نے کپڑا واپس کر دیا۔

ان کے حوالے سے یہ بات بہت مشہور تھی کہ ان کے گھر کے سارے سامان کی قیمت سو درہم سے زیادہ نہیں تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ انھوں نے دنیا کے اصل روپ کو پہچان لیا تھا، اس لیے انھوں نے دنیا سے بے رغبتی اختیار کی اور وہ آخرت کی حقیقت کو بھی جان گئے تھے۔ اسی بنا پر اس کے حصول میں اتنی زیادہ محنت اور کوشش کی۔ انھوں نے جس انداز میں زندگی گزاری اس کا ایک ایک لمحہ اس بات کی گواہی دیتا تھا کہ دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ دنیا کے بارے میں فرماتے تھے: دنیا کی مثال تو ایک درخت کی مانند ہے، جس کے سائے میں آدمی گھڑی دو گھڑی آرام کرتا ہے اور آگے چل دیتا ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے۔ ان کے بھتیجے عبداللہ بن عبیداللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک دن انھوں نے قرآن کی یہ آیت پڑھی:

﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا ﴾



اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت کے ساتھ ایک گواہ بھی سامنے لائیں گے، اور اے نبی! تجھے ہم ان لوگوں پر بطور گواہ سامنے لائیں گے۔''

جب یہ آیت ختم کی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بہت روئے، اتنا کہ ان کی داڑھی بھیگ گئی۔



عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انتہائی متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ ان کی راتیں عبادت میں گزرتیں اور روزے رکھنا ان کے معمول میں شامل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ابن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''اگر مجھے کسی کے متعلق گواہی دینے کا اختیار ہوتا کہ وہ جنتی ہے تو میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں گواہی دیتا کہ وہ جنتی ہے۔''

نافع رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا: ''ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر میں کیا کرتے ہیں؟''

نافع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''وہ ایسا کام کرتے ہیں جس کا شاید تم اہتمام نہ کر سکو۔ وہ ہر نماز کے لیے وضو کرتے ہیں، پھر وضو اور نماز کے درمیان قرآن کی تلاوت میں وقت گزارتے ہیں۔''

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو ایسے سوتے جیسے پرندے سوتے ہیں۔ یعنی تھوڑا سا سوتے، پھر اُٹھ کر نماز پڑھتے، پھر تھوڑا سوتے پھر اُٹھ کر نماز پڑھتے اس طرح چار پانچ بار رات کو نماز پڑھتے۔ بعض اوقات آپ دن میں بغیر کسی ضرورت کے بازار کا چکر لگاتے۔ کچھ خریدنے کی نیت سے نہیں بلکہ صرف اس لیے کہ بازار میں ملنے والے لوگوں کو سلام کر کے ثواب حاصل کریں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں نرمی اور درگزر جیسی خوبیاں بہت نمایاں تھیں۔ انھوں نے زندگی بھر کبھی کسی غلام یا نوکر کو بُرا بھلا نہیں کہا۔ ایک مرتبہ اپنے غلام کو درشت لہجے میں ڈانٹا تو بعد میں اس کے ازالہ کے لیے اُسے آزاد کر دیا۔

زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک آدمی گالیاں دے رہا ہے اور وہ خاموش بیٹھے ہیں۔ اس کے جواب میں بس اتنا کہا کہ میں اور میرا بھائی عاصم کسی کو گالیاں نہیں دیتے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ دوست کا دوست پر کیا حق ہے۔ تو انھوں نے جواب دیا:

- دوست کو بھوکا رکھ کر تجھے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھانا چاہیے۔
- اُسے برہنہ رکھ کر تجھے اپنے بدن پر لباس نہیں پہننا چاہیے۔



❀ خوشی غمی میں اس کے ساتھ شریک ہونا چاہیے۔

ایک مرتبہ ایک آدمی نے ان کو اس انداز میں پکارا:

''اے سب سے اچھے یا سب سے اچھے انسان کے بیٹے!''

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''نہ میں سب سے اچھا ہوں اور نہ سب سے اچھے انسان کا بیٹا ہوں، بلکہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں اور اس ذاتِ باری تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہوں۔



اللہ کی قسم! تم لوگ آدمی کی اس طرح مبالغہ آمیز تعریفیں کر کے اُس کو ہلاک کر دیتے ہو۔''

ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا: ''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر اس سے پیچھے نہیں ہٹا اور نہ آج تک اس میں کوئی تبدیلی آنے دی اور نہ کسی فتنہ باز کے ہاتھ پر بیعت کی اور نہ کسی مومن کو آرام سے محروم کیا۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی کا قول ہے:

''وعدہ خلافی منافقت کا ایک تہائی حصہ ہے، جب کہ وعدہ کی پاسداری

ایمان کا ایک تہائی حصہ ہے۔تم لوگوں کا اس بارے میں کیا خیال ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بطور تعریف اور اپنے انبیاء علیہم السلام کے لیے بطور فخر ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کر بے شک وہ وعدے کا بڑا پابند تھا۔''

ایک مقام پر عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو مجھے نماز کی طرف بلائے، میں اس کی دعوت قبول کرتا ہوں اور جو مجھے میرے کسی مسلمان بھائی کے قتل اور اس کا مال چھیننے کے لیے بلائے، میں اس کی دعوت رد کرتا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دین کا وسیع علم اور شاندار فہم و فراست سے نوازا تھا۔ وہ اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ان کو فقہ پر عبور حاصل تھا۔ وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ حج کے دوران اور دیگر مواقع پر وہ اکثر فتوے دیا کرتے تھے۔ لوگوں کو حقیقی معنوں میں اُنھی کے فتوے سے اطمینان حاصل ہوتا تھا۔

وہ فتویٰ دینے کے لیے سب سے پہلے مسئلے کا حل قرآن میں تلاش کرتے اگر وہاں سے حل نہ ملتا تو احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے، اگر وہاں سے حل نہ ملتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد (اپنی دینی بصیرت اور وسیع علم کی بنا پر شریعت کے مطابق کوئی راہ تلاش کرنا) سے فائدہ اُٹھاتے۔ اگر



صحابہ کرام کی آراء اس مسئلہ میں متفق ملتیں تو ان سے اتفاق کرتے تھے۔ اگر صحابہ کرام کے اقوال مختلف ملتے تو جو حق کے زیادہ قریب معلوم ہوتا اسی کو اپناتے۔

ایک مرتبہ ایک چور نے ابنِ وداعہ نامی آدمی کی الماری میں نقب لگائی۔



اس نے الماری میں سے چیزیں اکٹھی کیں لیکن اکٹھی کرنے کے بعد لے جانہ سکا۔ لوگوں نے اس کی سزا کے حوالے سے ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے فتویٰ پوچھا۔ انھوں نے فتویٰ دیا کہ اس کو سزا کے طور پر کوڑے بھی مارو، اور اس کا ہاتھ بھی کاٹ دو۔ اتفاق سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہاں سے گزرے۔ ان کو صورتِ حال کا پتا چلا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچے اور ان سے پوچھا:

''آپ نے اس آدمی کا ہاتھ کاٹنے کو کہا ہے؟''

ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: ''ہاں!''

تب ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ''اس آدمی پر کوئی سزا لاگو نہیں ہوتی، جب تک وہ کسی چیز کو باہر نکال کر نہ لے جائے۔''

ابن زبیر رضی اللہ عنہما ان کی رائے سن کر حیران ہوئے، مسئلے پر از سرِ نو غور کیا تو انھیں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فیصلہ ہی درست معلوم ہوا۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے دیگر خوبیوں کے ساتھ سخاوت کی خوبی سے بھی خوب نوازا تھا۔ وہ بہت کریم اور سخی تھے۔ کسی مانگنے والے کو کچھ دیے بغیر کبھی نہیں جانے دیتے تھے۔ وہ اللہ کی راہ میں ہمیشہ اپنی بہترین چیز دیا کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بہترین ہے جو بہتر کے علاوہ کسی چیز کو قبول نہیں کرتی۔ ایک مرتبہ وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ چلتے چلتے انھیں اپنی اونٹنی بہت اچھی محسوس ہونے لگی۔ انھوں نے اونٹنی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کو بٹھا کر نافع رحمۃ اللہ علیہ سے کہا:

''اس اونٹنی سے زین اُتار دو اور اس پر قربانی کا نشان لگا کر اس کو قربانی کے جانوروں میں شامل کر دو!''

اسی طرح ایک مرتبہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ان کے غلام نافع کو خریدنے کے لیے دس ہزار درہم دیے۔ وہ گھر آئے اور اپنی بیوی صفیہ سے اس معاملے میں مشورہ کیا۔ پھر خود ہی کہنے لگے: ''کیوں نہ اس سے بہتر چیز کو اپنایا جائے۔ اسے اللہ کی راہ میں آزاد کر دیتے ہیں۔''

چنانچہ نافع کو آزاد کر دیا گیا۔



ایوب بن وائل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما دس ہزار درہم لے کر آئے اور ان کو لوگوں میں بانٹ دیا۔ پھر جب اپنی سواری کے لیے گھاس خریدنے کا موقع آیا تو جیب خالی تھی، چنانچہ ایک درہم اُدھار لے کر گھاس وغیرہ لائی گئی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما اُس وقت تک دستر خوان پر کھانے کے لیے نہیں بیٹھتے تھے جب تک کچھ غریب اور نادار لوگ بھی ان کے ساتھ کھانے پر نہ ہوتے۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس دنیا سے رُخصت ہوئے تو وہ بے شمار غلاموں کو آزاد کر چکے تھے۔



ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دل میں جہاد کا جذبہ بچپن ہی سے جوان تھا۔ کم عمری ہی میں دین کا صحیح فہم حاصل کرنے کے بعد ان کی آرزو تھی کہ وہ بھی دین کے دشمنوں سے لڑیں، اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ مجاہدین اور شہداء کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا مقام ہے، وہ اس سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ اسی بنا پر وہ جہاد میں حصہ لینے کے آرزومند تھے۔ غزوۂ بدر میں جب مسلمان کفار سے لڑنے کے لیے نکلے تو وہ بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔

ان کی شدید خواہش تھی کہ کسی طرح نبیٔ کریم ﷺ کے لشکر کے سپاہی بن جائیں۔ لیکن ان کی کم عمری آڑے آ گئی۔ نبیٔ کریم ﷺ نے انھیں واپس بھیج دیا۔ اس وقت اُن کی عمر تقریباً بارہ برس تھی۔ جب غزوۂ احد کا موقع آیا تب پھر جذبہ جہاد ان کو میدان جنگ میں کھینچ لایا۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو کمسنی کی وجہ سے واپس کر دیا۔ جہاد کی تڑپ لیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بے قرار رہتے تھے۔ لیکن جہاد میں شرکت کا موقع مل نہیں رہا تھا۔ اُنھیں اس دن کا بڑی شدت سے انتظار تھا جب وہ جہاد کی لذت سے آشنا ہوں۔

غزوۂ خندق کا موقع آیا تو انھوں نے پھر اپنے آپ کو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ یہ خدشہ بھی سر اُٹھا رہا تھا کہ کہیں اس بار بھی اُنھیں واپس نہ کر دیا جائے۔ لیکن اس مرتبہ آپ ﷺ نے ان کو جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی۔ اجازت پا کر ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، کیونکہ اب وہ دل و جان سے اللہ کے دشمنوں سے لڑ سکتے تھے۔ اللہ کے دین کے دفاع کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کر سکتے تھے۔ اس جنگ میں انھوں نے بھرپور طریقے سے حصہ لیا اور یوں اپنے ذوقِ جہاد کی تسکین کی۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی جہاد کے ساتھ محبت رسول اللہ ﷺ کی وفات



کے بعد بھی اسی طرح جاری رہی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں دین سے پھر جانے والوں (مرتدوں) سے جنگ میں انھوں نے ایک کامیاب سپاہی کی طرح شرکت کی۔ یہاں تک کہ یہ فتنہ فنا کے گھاٹ اُتر گیا۔ اپنے والد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی انھوں نے جنگوں میں حصہ لیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں شمالی افریقہ کو فتح کرنے کے سلسلے میں ہونے والی جنگوں میں شریک ہوئے۔ معرکہ نہاوند اور قسطنطنیہ میں بھی شرکت کی۔ وہ جب بھی کسی معرکے سے واپس آتے۔ پھر سے نئے معرکے کی تیاری شروع کر دیتے۔ یہ جذبہ آخر عمر تک برقرار رہا۔



حجاج بن یوسف کی سازش سے جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے اپنے بیٹے سالم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا:

''اے میرے بیٹے! اگر میں حرم کے اندر فوت ہو جاؤں تو مجھے حرم کی حدود سے باہر دفن کر دینا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ ایک بار حرم سے ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ اس میں دفن ہو جاؤں۔''

بیٹے نے جواب دیا: ''ابا جان، اگر ہم کر سکے، تو ضرور ایسا کریں گے!''

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حیرت سے کہا: ''تو نے سنا میں نے کیا کہا! پھر بھی تم کہہ رہے ہو کہ ہم اگر کر سکے تو ایسا کریں گے۔''

بیٹے نے ادب کے ساتھ کہا: ''میں کہتا ہوں حجاج ہم پر غالب آئے گا اور آپ کی نماز جنازہ بھی پڑھائے گا۔''

یہ سن کر ابن عمر رضی اللہ عنہما خاموش ہو گئے۔ وفات کے بعد آپ کو ذی طویٰ کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر چھیاسی برس تھی۔





مطیعِ اعظم

اطاعت، بڑا انمول جذبہ ہے

اطاعت سچے دل سے کی جائے............تو اپنی قدر آپ پیدا کر لیتی ہے

اُس کوئلے کی طرح......جو صدیوں زمین کی شکست وریخت برداشت کرتا ہے

اور بالآخر......ایک بیش قیمت ہیرے میں بدل جاتا ہے

خاموش اطاعت، کوئلے کو ہیرا بنا دیتی ہے

لیکن ہیرے کو چمک دمک ...... بناوٹ اور رنگ روپ ماہردست کار ہی دیتے ہیں

اُنھیں بھی......کائنات کے افضل ترین انسان نے

اپنے ہاتھوں سے......تراش خراش کر ایک انمول ہیرے کا روپ دیا

علم......ان کی پہچان تھی

سخاوت......ان کی شان تھی

محبت......ان کا ایمان تھی

اور استاد کی اطاعت وفرمانبرداری ان کی حرز جان تھی

خوبیوں کے یہ پیکر......عظمت کی بلندیوں پر فائز اپنے دور کے فقیہ بھی تھے

ان کی زندگی کی خوبصورت جھلک......اس کتاب میں آپ کو ملے گی

اور یقیناً آپ کے دل پر اثر انداز بھی ہوگی۔ان شاء اللہ



دارُالسّلام
کتاب وسنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاھور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ھیوسٹن • نیو یارک